© rasailojaraid.com

مسلم دنیا کیا سوچ رہی ہے؟

کاشف حفیظ صدیقی

مذہبی عصبیت کوئی نئی چیز نہیں، بنیادی طور پر ہر مذہب کا ماننے والا مذہب کے معاملے میں قومیت سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے اور خود کو مذہبی حوالے سے سرحدی حدود سے ماوراء سمجھتا ہے۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ عیسائی دنیا صرف مذہب کے نعرے پر ایک پرچم تلے متحد ہوئی اور قومیت کو پس پشت ڈال کر عالم اسلام پر حملہ آور ہوئی۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ تاہم سترہویں صدی میں مغربی دنیا نے مذہب کو پس پشت ڈال دیا اور کلیسا کیخلاف جدوجہد کا آغاز ہوا اسکے نتیجے میں اشتراکی نظام سامنے آیا۔

آج کے تاریخ دان، زمانے کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ قبل از مسیح، بعد از مسیح اور اب بعد از نائن الیون، یعنی 11 ستمبر سن دو ہزار دو کے بعد دنیا ایک نئی جہت میں داخل ہوگئی۔ اس نئی جہت میں اسلامی اور عیسائی دنیا میں مناقشت بڑھتی جارہی ہے اور دونوں جانب اپنے مذاہب کی طرف رجحان بھی بڑھتا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ صرف عیسائی یا اسلامی دنیا تک ہی موقوف نہیں بلکہ بغور دیکھا جائے تو یہودیت کا فروغ بھی کوئی نیا نہیں، اسی طرح بھارت کی سیاست میں ہندوازم کا فروغ کلیدی حیثیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ برما اور تبت میں جاری تحریکوں کی قیادت بدھ بھکشو کر رہے ہیں۔ مگر آج سماجیات کے طالب علم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کا تصور جس طرح مسلمانوں میں موجود ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں، حکومتوں کا طرز عمل جو بھی ہو مگر اسلامک پین ازم کا تصور ایک مضبوط نظریئے کے طور پر اسلامی دنیا میں ہمیشہ موجود رہا ہے، اقبال کہتے ہیں:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

یا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح نعیم صدیقی نے بھی بڑا خوب صورت منظر اور تصور پیش کیا ہے اور استعارے کے طور پر عالم اسلام کے مختلف دریاؤں کو لیا ہے (''کاجان'' انڈونیشیا کے ایک دریا کا نام ہے):

دجلہ کے بھی گرداب ہیں کچھ پہلے سے برہم
کاجان کی لہریں بھی تو بل کھاتی ہیں پیہم
طوفان بہ آغوش ہیں یا راوی وجہلم
بے تاب ہے گنگا میں بھی اِک موجہ زم زم
ہے ایک ہی نشہ کہیں گہرا کہیں کم کم
ہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں مدہم
مل جائیں گی امواج سے امواج یہ باہم
ہوجائیں گے طوفانوں میں طوفان یہ مدغم
سوتیں ہوں الگ چاہے مگر ایک ہے سنگم
جو نعرہ ہمارا ہے وہی نعرہ تمہارا
اے نیل کی موجو! نہ کرو خوف کنارا

ہم ہمیشہ امت مسلمہ کو ایک قوم کے طور پر لیتے ہیں اس لئے کہ ہمارے غم اور خوشیاں سانجھی ہیں۔ معروف سماجیات کے ادارے گیلپ انٹرنیشنل نے پانچ سال کی مستقل تحقیق کے بعد ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں کم و بیش 35 مسلم ممالک کے افراد سے مختلف سوالات کیے گئے اور ان کے نتائج کا تجزیہ اس رپورٹ میں شامل کیا گیا ہے۔ رپورٹ کا عنوان ہے: Who Speaks For Islam۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے ایک ارب مسلمان کس طرح سوچتے ہیں۔ یہ رپورٹ جو John L.Esposite اور Dalla Mogahed نے مرتب کی ہے جس میں سے اول الذکر جارج ٹاؤن پرنس عبدالولید بن طلال مرکز برائے مسلم عیسائی رواداری وتعلقات کے سربراہ ہیں اور مڈل ایسٹ اسٹڈیز ایسوسی ایشن اور امریکی کونسل برائے اسلامی سوسائٹیز کے سابق صدر ہیں، جو مختلف ملٹی نیشنل کمپنیوں اور کارپوریٹ کے ممد ومعاون اور مشیر ہیں۔ جبکہ مؤخرالذکر گیلپ انٹرنیشنل برائے اسلامی اسٹڈیز کی سربراہ افریقی نژاد مسلم خاتون ہیں۔ اس رپورٹ کی ایک اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے عیسائی اور مسلم دنیا بلکہ یوں کہیئے کہ امریکی معاشرے اور مسلم امت کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔

رپورٹ کے مطابق عالم اسلام کے صرف 7 فیصد افراد نے 11 ستمبر کے واقعات کی حمایت کی اور 92 فیصد نے اس کی مخالفت کی۔ مگر اس رپورٹ کا مرکز ومحور یہ 7 فیصد افراد زیادہ بنے جنہوں نے حمایت کی۔ رپورٹ کے تجزیہ نگار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتاتے ہیں کہ یہ 7 فیصد افراد پڑھے لکھے اور معاشی طور پر مستحکم لوگ ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے بحیثیت نظامِ حکومت نفاذ پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے اس سیاسی نظریئے کی اشاعت میں دلچسپی رکھتے ہیں، ان کی عمریں 15 سے 29 سال کے درمیان ہیں اور یہ زیادہ تر مرد (62 فیصد) ہیں۔ یہ لوگ امریکہ کے شدید مخالف ہیں، مگر جب ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ 9/11 کے واقعات کی حمایت کے حوالے سے کسی قرآنی آیت کا حوالہ دے سکتے ہیں تو اس کے جواب میں وہ ناکام رہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ ان 7 فیصد کا ایک قلیل حصہ (13 فیصد) انتہا پسند نظریئے کا قائل ہے۔

اسی رپورٹ میں یہ بات واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ امت مسلمہ کی اکثریت ''شریعت'' کو اسلامی قانون سازی کا بنیادی اور واحد مرکز و عنصر سمجھتی ہے۔ گو کہ مغربی جمہوری نظام کے کئی اجزاء کی معترف ہونے کے باوجود امت مسلمہ کی اکثریت نے اس کو بعینہٖ قبول کرنے کی شدید مخالفت کی ہے اور شریعت کو ہی قانون سازی کا ماخذ قرار دیا ہے۔ رپورٹ مرتب کرنے والوں کیلئے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ قانون سازی کے ماخذ کے طور پر شریعت کی حمایت میں مرد و خواتین کی رائے یکساں ہے اور کوئی بنیادی فرق نہیں پایا جاتا۔

مسلم ممالک کی اکثریت نے اسلام کو بطور مذہب اپنی زندگی میں خاص اہمیت دی ہے خاص کے علاوہ مسلم ممالک کے عوام کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی بنیادی مقصد ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی ممالک کے عوام کی ایک بڑی تعداد اپنی تہذیب و ثقافت میں مذہب کو ایک اہم عنصر کے طور پر دیکھتی ہے۔ البتہ عوام اپنے دستور میں اظہار رائے کی آزادی کے حق میں ہیں جس میں ملکی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے حوالے سے رائے کا اظہار شامل ہے۔ دوسری طرف رپورٹ یہ بھی بتاتی ہے کہ مسلم ممالک کی خواتین اپنے آپ کو دوسرے درجے کا شہری نہیں سمجھتیں اور مغربی تصور سے ہٹ کر وہ اپنی طرز معاشرت میں اپنے آپ کو خود مختار جانتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ چاہتی ہیں کہ ان کو ملازمت کے مساوی مواقع دیئے جائیں، سیکنڈری تعلیم حاصل کرنے کے بعد پوسٹ گریجویشن کی تعلیم کے حوالے سے پاکستان میں 13 فیصد میں تعلیم چھوڑ دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلم ممالک کی عظیم اکثریت یعنی 92 فیصد لوگ دہشت گردی کے خلاف ہیں۔ وہ جمہوری روایات کی پاسداری اور نمائندہ حکومتوں کے قیام کے حق میں ہیں۔ مگر وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور اس کے حواری اسلام کی ''ثقافتی بے ادبی و بے عزتی'' میں مشغول ہیں۔ فلسطین، عراق اور افغانستان کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک عمومی رائے یہ ہے کہ امریکہ مسائل کے حل میں کم دلچسپی لیتا ہے اور یہی وہ مسائل ہیں جو خلیج کو مزید وسیع کر رہے ہیں۔

عام امریکی اپنی دنیا میں مست ہے۔ اسی رپورٹ کے مرتبین کے مطابق 2002ء میں جب امریکیوں سے سوال کیا گیا کہ آپ اسلام کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ تو 54 فیصد کا کہنا تھا کہ ''ہم زیادہ نہیں جانتے'' جب یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال جنوری 2007ء میں پوچھا گیا تو یہی جواب 57 فیصد کا تھا۔ جب مسلم دنیا کے ممالک کے عوام سے مغرب کی خوبیوں کے حوالے سے سوال کیا گیا تو مسلم ممالک کی اکثریت نے جدید ٹیکنالوجی، آزادی اور جمہوریت کا نام لیا، جب اس طرح کا سوال اسلام کے حوالے سے عیسائیوں سے کیا گیا تو ان کو اسلام میں کوئی بھی خوبی نظر نہیں آسکی۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گیلپ کے 2006ء کے امریکہ میں کیے گئے سروے کے مطابق 46 فیصد امریکی انجیل (بائبل) کو قانون سازی کا ماخذ اور 9 فیصد صرف اور صرف واحد ماخذ سمجھتے ہیں، 42 فیصد امریکی چاہتے ہیں کہ مذہبی قیادت سیاست میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے۔ جس طرح مسلم ممالک اپنی تہذیب کے حوالے سے حساس ہیں، اس طرح کی حساسیت مغربی معاشرے میں نظر نہیں آتی، خاص طور پر یورپین ممالک میں۔

قارئین! اس رپورٹ میں شامل 35 اسلامی ممالک کے 50 ہزار مسلمان مرد و خواتین جنہوں نے اس سروے میں جواب دیا، کی رائے بتاتی ہے کہ مسلم ممالک کے عوام کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں، ان کی امیدیں اور آرزوئیں ایک ہی جیسی ہیں، حکومتیں کچھ بھی کرتی رہیں مگر عوام جسد واحد کی طرح باہم مدغم ہیں اور امت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، جو ایک دوسرے کی تکلیف پر تڑپتے بھی ہیں اور ایک دوسرے کیلئے دعاگو بھی رہتے ہیں۔

ابھی 16 مارچ کی ہی تو بات ہے جب افغانستان سے آنے والے بارود سے بھرے میزائل نے 20 کے قریب افراد کو شہید کردیا۔ شاہ نواز کوٹ پر سہ پہر ہونے والے حملے کے بعد انسانی اعضاء بکھر گئے ...... ان میں کراچی کے مسیحا ڈاکٹر ارشد وحید بھی شامل تھے جو شہادت کے مرتبے پر فائز ہوکر بارگاہ رب العزت میں کامیاب ہوگئے۔ یہ رتبہ بے شک بلند ملا جس کو بھی مل گیا' یقیناً ہر چاہنے والے کیلئے دار ورسن کہاں ہوتے ہیں۔ مگر یہی وہ اسباب ہوتے ہیں جو قوموں کے درمیان خلیج کو بڑھاتے ہی۔ مسلمان ابوغریب، پل چرخی اور گوانتاناموبے کی جیلوں میں محبوس ساتھیوں کو کس طرح بھلاسکتے ہیں۔ مگر سوال وہی پیدا ہوتا ہے، جو گیلپ کی رپورٹ کا عنوان ہے، کہ "اسلام کیلئے کون بولے گا"۔

شہادت کا عنصر اور جذبہ ایک الگ کیفیت رکھتا ہے، جو عالم اسلام میں موجود بھی ہے اور زندہ بھی۔ اور ایک عزم وحوصلے کے ساتھ فلسطین، بیروت، افغانستان، کشمیر، صومالیہ، عراق اور چیچنیا [illegible] بھی۔ جو ایک کی شہادت پر دوسرے کو اس کی جگہ دینے کیلئے کھڑا کردیتا ہے۔

بقول جگر مرادآبادی:

یہ ملت احمد مرسلؐ ہے، اک شوقِ شہادت کی وارث
اس قوم نے ہمیشہ مردوں کو مرنے کیلئے تیار کیا

...........☆☆☆...........

© rasailojaraid.com